منی ناول

زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر

دوسرا حصّہ

میری جگہ کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو عمر کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی انگوٹھی اور ریوالور میں سے ریوالور نہ اٹھاتی...... میں عمر کی محبت کی شدت سے متاثر صرف متاثر ہی نہیں ہوئی بلکہ ڈر گئی تھی، ان کی اتنے دھڑلے اور دھونس کی محبت کا اور بھلا کیا نتیجہ نکل سکتا تھا...... مجھے عمر کے جذبوں کی سچائی کو ماننا پڑا...... اس کے بعد کا مرحلہ سب سے اہم تھا یعنی اس بات کا انکشاف میرے پاپا اور مما کے سامنے کرنا اور انہیں منانا۔ عمر کو اپنے

جذبوں کی صداقت پر یقین تھا اور وہ کہتے تھے کہ میری رضا کو اپنی رضا میں شامل کرنا ان کے لیے مشکل ترین مرحلہ تھا، میرے ماں باپ کو وہ اسی طرح منالیں گے جس طرح وہ اپنی اماں سے بحث و تمحیص کر کے انہیں منا چکے تھے...... جانے کہاں، کہاں سے رابطے ڈھونڈ نکال کر انہوں نے میرے پاپا کو کہلوایا اور اپنے لیے بات کرنے کی راہ ہموار کی۔

کاروباری حلقوں میں اگر پاپا کا بڑا نام تھا تو عمر بھی کچھ کم نہ تھے، وہ تو چیمبر آف کامرس کے صدر بھی تھے اور اتنی سی عمر میں ان کی کامیابیاں کاروباری حلقوں میں بہت رشک سے دیکھی جاتی تھیں۔ عمر نے اپنے انہی دوستوں اور کاروباری حلقوں کے روابط کو استعمال کیا تھا اور پاپا تک اپنا مسئلہ ان دوستوں کے ذریعے پہنچایا تھا۔ پاپا کے دل میں یہ خیال تھا کہ شاید وہ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں مگر میرا عندیہ دریافت کیا تو میں نے اپنی رضامندی دے کر ان کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔ یہ شہر کی ایک بڑی کاروباری شادی تھی۔ دو بڑے بزنس ٹائیکون آپس میں نئے رشتے میں بندھ رہے تھے، برسوں تک لوگوں نے اس شادی کو یاد رکھا تھا، سسرال میں بھی مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔

عمر سے میری بات طے ہونے اور ہماری شادی کے درمیان بہت تھوڑا عرصہ تھا، میری رخصتی سے پہلے ہی عمر نے اماں کے کہنے پر ملیحہ کو فارغ کر دیا تھا، انہوں نے عمر سے کہا تھا کہ ملیحہ اس گھر میں یوں بھی فالتو سامان کی طرح پڑی رہتی تھی، عمر کی نئی شادی کے بعد اس کی حیثیت اور بھی کم تر ہو جاتی، عمر شرعی طور پر دو شادیاں تو کر سکتے تھے مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھے کہ دو بیویوں کے ساتھ ایک سا سلوک روا نہیں رکھ سکتے تھے...... اس ناانصافی کے لیے انہیں اللہ کے روبرو جواب دہ ہونا ہوگا اس لیے بہتر ہے کہ ملیحہ کو اس کی زندگی اپنے ڈھب سے جینے کا اختیار دیا جائے۔ ماں تھی ناں...... قطعی نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا آخرت میں بھی اپنے کسی کیے کے ہاتھوں خدا کے حضور شرمندہ کھڑا ہو۔ ہماری شادی کے چند ماہ کے بعد ملیحہ کی اپنے خاندان میں ہی ایک امیر رنڈوے سے شادی ہو گئی تھی، بچے پہلے ہر ہفتے ماں سے ملنے جاتے تھے مگر آہستہ، آہستہ اس میں وقفہ بڑھنے لگا تھا، ہفتے، مہینے میں اور مہینہ کئی مہینوں میں بدل گیا۔

شادی کی پہلی رات ہی عمر نے اپنی وارفتگیوں کے اظہار کے ساتھ مجھے بتا دیا تھا کہ مجھے ان کی ہم سفر اور ہمنوا بن کر رہنا ہے اور مزید بچوں کی خواہش نہیں کرنی، ان کے ملیحہ سے چار بچے تھے اور اسی گھر میں رہتے تھے، بڑی بیٹی ہادیہ جسے سب ببلی کہتے تھے اور اس کے بعد تین بیٹے...... سکندر، حاشر اور خضر تھے، خضر سب سے چھوٹا بھی ہماری شادی کے وقت پانچ برس کا تھا، مزید بچوں کی انہیں خواہش نہ تھی۔ اس وقت تو میں بھی عمر کے اس حصے میں تھی کہ ایک پیار کرنے والا جیون ساتھی پا کر یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ دنیا میرے قدموں میں ڈھیر ہو گئی...... اس لیے عمر کا مطالبہ مجھے نہ اتنا اہم لگا اور نہ ہی بے جا۔

محبت کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا، عمر نے کوئی خواہش میرے منہ سے نکلنے دی، نہ دل میں پنپنے، اس سے پہلے ہی سب کچھ میرے قدموں میں ڈھیر کر دیتے تھے، کوئی عورت اور کیا خواہش کر سکتی ہے...... انہیں محبت کے سارے ڈھنگ آتے تھے۔ جو مجھ سے کوئی پوچھتا کہ میری کوئی ادھوری خواہش تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا، دنیا کی کون سی خوب صورت جگہ ہے جہاں عمر مجھے لے کر نہیں گئے...... رانیہ کے بیٹے مصطفیٰ کی پھیپھڑوں کی سرجری تھی تو وہ مجھے اپنے ساتھ کینیڈا لے کر گئے، جب تک رانیہ اسپتال میں رہی ہم دونوں ایک ہوٹل میں رہے، دن بھر میں رانیہ کے ساتھ وقت گزارتی اور رات کو ہم واپس لوٹ آتے...... مصطفیٰ اسپتال سے فارغ ہوا تو ہم سیر و تفریح کے لیے نکلے اور کئی ملکوں سے گھومتے گھامتے واپس وطن لوٹے تھے۔

میری بہنوں کی شادیوں پر عمر نے بڑے بھائی کی کمی پوری کر دی، پاپا کے ساتھ وہ ہر کام میں پیش پیش ہوتے بلکہ پاپا کو آرام کرنے کا کہتے اور خود کام کرتے۔ مما اور پاپا کو اپنے فیصلے پر اگر کوئی کسک تھی بھی تو عمر کے رویے نے انہیں سب کچھ بھلا دیا۔ میں خوش تھی، عمر میری خوشی کا خیال کرتے تھے تو بدلے میں مجھے ان کا، ان کی اماں کا اور ان کے بچوں کا خیال رکھنا تھا۔ بچوں سے میری دوستی ہو گئی تھی، عمر نے ہماری شادی سے قبل اپنے بچوں کو بھی اعتماد میں لیا تھا...... عمروں میں کم مگر ماں باپ کے حالات کی وجہ سے وقت نے انہیں پہلے ہی سمجھدار بنا دیا تھا اور میں نے بھی ان سے کبھی سوتیلی ماں کی طرح برتاؤ نہیں کیا تھا بلکہ مجھے ان پر ترس آتا تھا کہ ماں اور باپ دونوں نے دوسری، دوسری شادی کر لی تھی، انہیں پیار کی ضرورت تھی۔ میں ماں نہیں بنی تھی مگر میرے اندر ممتا تو تھی سو میں ان پر لٹاتی۔

میری ساس بھی مجھ سے خوش تھیں۔ ساس، بہو کے مسائل وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں غالباً مالی مسائل ہوتے ہوں گے، اس گھر میں ہر چیز وافر تھی اس لیے کسی کو کسی سے بغض تھا نہ اختلاف۔ ہاں گھر میں اگر ملیحہ بھی ہوتی تو چاہے وہ گھر میں کسی فالتو چیز کی طرح پڑی ہوتی مگر اس کا وجود غالباً مجھے مانند خار کھٹکتا رہتا کہ بچوں کی ماں ہونے کی حیثیت سے اس کی اہمیت تو بہر طور قائم رہتی اور بچوں کی زندگیوں کے بارے میں فیصلے کرتے وقت اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی۔ عمر نے زندگی کو بہت اعتدال میں رکھا تھا، ماں کی رضا سے خاندان میں شادی کر کے اولاد بھی پیدا کر لی تھی اور بعد میں ان کی رضا حاصل کر کے مجھ سے شادی کر لی تھی جس سے ان کے اپنے دل کی مراد بھی پوری ہو گئی تھی اور ان کے بچوں کو ایک پڑھی لکھی ماں مل گئی تھی۔

مما ان دنوں صدف کی اچانک طے پا جانے والی شادی کے لیے پریشان ہو رہی تھیں تو میں ان کی مدد کے خیال سے وہاں چلی گئی۔ تانیہ خالہ بھی ملتان سے آئی ہوئی تھیں، میری اور خالہ کی عمروں میں چند ایک سال کا تفاوت ہی تھا، مما سب سے بڑی بہن تھیں پھر چار بھائیوں کے بعد تانیہ خالہ اس وقت پیدا ہوئیں جب مما جوان ہو چکی تھیں اور ان کی شادی کی تاریخ بھی طے ہو چکی تھی...... مما نے تانیہ خالہ کو اس طرح پیار دیا اور پالا تھا جیسے وہ ان کی بیٹی ہوں۔ خالہ اور میں نے مل کر صدف کی شادی کی تیاری کے سلسلے میں مما کی مدد کی تھی۔ پاپا کاروباری سلسلے میں ملتان گئے تھے تو واپسی پر خالہ کو لے آئے تھے...... مما کے لیے کام ڈھیروں کام تھا، رانیہ پاکستان نہیں آ سکتی تھی، صدف اپنے ویزے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہی تھی اور فاطش اپنی پڑھائی میں مصروف......

پڑھائی میں مصروف فاطش کی کتابوں اور کاپیوں کے بیچ ...سارا دن اس کے موبائل پر ٹنگ، ٹنگ کی آواز آتی رہتی، میں نے اس سے پوچھا بھی مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ ہم نے تو اپنی زندگی ماں باپ سے ڈر کر، ان کے احترام میں اور ان کی عزت کا پاس کرنے میں گزاری تھی مگر اب یہ موبائل ٹیلی فون جانے کس طرح کا روگ ہے جو ہماری پوری نسل کو برباد کر رہا ہے......

''اپنی دوستوں سے پڑھائی کے سلسلے میں ہی دن بھر کچھ نہ کچھ پوچھنا پڑتا ہے یار، تم کیوں پریشان ہوتی ہو......'' اس نے مجھے بہلا دیا مگر میں اس کے بدلتے انداز دیکھ رہی تھی۔ میری اور رانیہ کی شادیوں کی نسبت، صدف کی شادی تو بالکل سادگی سے ہوئی تھی، اس کا لندن میں داخلہ ہو گیا تھا جہاں مما بالخصوص اسے تنہا نہیں بھیجنا چاہتی تھیں، احمد سے اس کی منگنی تو بہت سال پہلے ہو چکی تھی، دونوں کزن ہی نہیں، کلاس فیلو بھی تھے سو فوراً نکاح اور رخصتی کا پلان بنا اور نکاح کی تقریب کے تین دن کے بعد وہ دونوں لندن روانہ ہوئے۔ میں نے اس دوران فاطش کا عجیب و غریب سا رویہ دیکھا، پاپا کے ساتھ، مما کے ساتھ اور خالہ کے ساتھ بھی۔

خالہ اپنا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر مما کی مدد کے خیال سے اپنا سب کچھ بھلا کر ہمارے ہاں اٹھ آئی تھیں اور

فاطش ان سے اتنی بدمزاجی سے بات کرتی تو مجھے دل سے دکھ محسوس ہوتا، وہ کیا سوچتی ہوں گی، مجھے خیال آتا مگر فاطش کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں خالہ کے ماتھے پر بل بھی نہ آتا۔ خالہ کو تو اللہ نے اولاد کی نعمت سے بھی محروم رکھا تھا...... ان کا دکھ کون سمجھ سکتا تھا، میں اب خود بھی اپنی اس محرومی کو بہت بری طرح محسوس کرتی تھی، اس لیے میں خالہ کی دلی کیفیت کو محسوس کرسکتی تھی۔

صدف اور احمد کے نکاح کے اگلے روز ہی عمر نے مما پاپا اور احمد کے گھر والوں کی ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں شاندار دعوت کی تھی۔ میرے خاندان کے سب لوگ عمر کی عادات اور اخلاق کے گرویدہ تھے، ان میں صلاحیت بھی تھی دوسروں کے دل جیتنے کی...... میرا دل بھی تو انہوں نے اسی طرح جیتا تھا۔ کھانے کے دوران فاطش میرے ساتھ ہی بیٹھی تھی، وہاں بھی میز کے نیچے اس کا موبائل فون اس کے ہاتھ میں تھا اور اس پر مسلسل ٹک، ٹک ہورہی تھی۔ ”مما سے بات کرنی پڑے گی، یقیناً فاطش بھی کسی چکر میں مبتلا ہوگئی ہے، یونیورسٹی میں پڑھتی ہے، ممکن ہے کہ کسی لڑکے کے جال میں پھنس گئی ہو۔“ مجھ میں اور اس میں عمروں کے تفاوت کے باعث ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ میں سب سے بڑی اور وہ سب سے چھوٹی...... صدف کو لندن چلے جانا تھا۔ ”جانے کون فاطش سے باز پرس کرسکتا ہے۔ مما!“ میں نے سوچا۔ ”ہاں...... مما کو بتانا پڑے گا کہ انہیں فاطش پر نظر رکھنی چاہیے، اس کی سرگرمیوں پر اور اس کے فون کے استعمال پر بھی۔“

☆☆☆

”رانیہ آپی!“ پیغام کی ٹون بجی تو میں نے فون آن کیا، صدف کا پیغام تھا۔ ”جاگ رہی ہیں؟“ عابد نے اگلے ہی دن میری سم اپنے ایک پرانے فون سیٹ میں ڈال دی تھی مگر پہلا فون دھل جانے کے باعث مجھے سارے فون نمبرز ایک ایک کرکے اس میں محفوظ کرنا تھے یا پھر وقت ملتا تو کمپیوٹر سے اس میں سارا ڈیٹا منتقل کرتی، پہلے مرحلے میں، میں نے گھر والوں کے فون نمبر اس میں ڈالے اور باقی کام میں نے کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دیا۔

”تمہارے تو رات کے دو بجے ہیں، تم کیوں جاگ رہی ہو ابھی تک......؟“ میں نے بستر چھوڑتے ہوئے سوال لکھا۔

”بس پریشانی میں نیند ہی نہیں آئی آپی......“

”خیریت ہے میری جان؟“ میں گھبرا گئی۔ ”سب ٹھیک تو ہے ناں، احمد ٹھیک ہے؟“

”میں اور احمد تو ٹھیک ہیں آپی، مما کی طرف سے پریشانی ہے......“ اس نے کہا تو میں نے گہری سانس لی۔

”ہم م م......“ میں نے کچھ سوچ کر پیغام ٹائپ کیا۔ ”کیا ہوا مما کو؟“

”مما نے ایک عجیب سی بات کی ہے آپی!“ اس نے جواب دیا۔ ”ممکن ہے کہ انہوں نے آپ سے بھی وہ بات کی ہو، اگر نہیں بھی کی تو بھی مجھے سب سے پہلے خیال آیا کہ میں آپ سے بات کروں......“

”کیا عجیب بات کی ہے مما نے؟“ تو گویا جو کچھ مما نے مجھ سے کہا تھا وہ صدف سے بھی کہا تھا، اس کا مطلب ہے کہ یہ مذاق نہیں ہوسکتا...... مگر پھر بھی میں صدف سے پوچھ کر تصدیق کرنا چاہ رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مما نے اسے کوئی اور پیغام بھیجا ہو۔

”مما نے......“ وہ کچھ کہتے، کہتے رکی۔ ”عابد بھائی کہاں ہیں؟“

”عابد چلے گئے ہیں اور میں بھی تھوڑی دیر میں نکلنے والی ہوں......“

”کوئی اور تو پاس نہیں آپ کے...... فون کا اسپیکر تو آن نہیں؟“

”بے فکر ہو کر بات کرو صدف، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“

”مما نے میرے ساتھ بات کی تھی کل اسکائپ پر...... اچانک کہنے لگیں کہ انہوں نے پاپا سے خلع لینے کا فیصلہ کرلیا ہے......“ بات کرتے ہی وہ دھواں دار

رونے لگی جبکہ میرے خاموش نوحے آنسوؤں کی صورت میرے گالوں پر پھسل رہے تھے۔

”آیا تھا مجھے بھی مما کا پیغام......“ میں نے آنسو ہاتھ کی پشت سے مسل کر صاف کیے، برش پر ٹوتھ پیسٹ لگایا۔ ”میں دفتر پہنچ کر تم سے بات کروں گی جب تمہارے صبح کے سات بجیں گے، تم یونیورسٹی نہیں جا رہی ہو کیا؟“

”ہاں مجھے جانا ہے، اس وقت میں ٹیوب میں ہوں گی......“ اس کا جواب آیا۔ ”مگر میں کوئی بہانہ کرکے آج احمد سے فون لے جاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے اب تم سونے کی کوشش کرو، مجھے بھی تیار ہونا ہے......“ میں نے کہا۔ ”لو یو میری جان!“

”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آپی، نیند بھی نہیں آرہی۔“ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

”احمد کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا، حیران تھی کہ وہ کس طرح بات کررہی ہے، کیا وہ احمد کے سامنے ہی بات کررہی تھی۔

”احمد کی آج رات کی ڈیوٹی ہے، صبح چار بجے آجائے گا۔“

”درود شریف پڑھو اور کوشش کرو تو نیند آجائے گی۔“ میں نے کہہ کر فون بند کیا اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے آئینہ دیکھنے لگی۔ ’آخر ایسا کیوں کہا مما نے؟‘ میں نے دل میں سوچا۔ ’اس وقت تو شام ہوگی وہاں اور پاپا بھی گھر پر ہوں گے، کیا انہیں فون کرکے پوچھوں...... نہیں، شام کو کروں گی جب ان کی صبح ہوگی۔‘

”مجھے واپسی پر نہ لینے آئیے گا عابد، مجھے کسی کولیگ کے ساتھ کافی پر جانا ہے، وہی مجھے گھر پر چھوڑ دے گی۔“ میں نے عابد کو پیغام بھیجا۔

”تم وقت بتا دو اور کہاں سے لینا ہے، میں تمہیں لے لوں گا، کسی اور کو کیوں زحمت دیتی ہو۔“ ان کا جواب آیا۔

”نہیں، آپ مصطفیٰ کو لے کر پھر گھر پر ہی رہیں، اسے سردی میں بار، بار باہر نہ نکالیں۔“ میں نے گھر لاک کرکے باہر نکلتے ہوئے پیغام بھیجا۔ میں نے سوچا تھا کہ کہیں باہر سے مما کو کال کروں گی جس وقت پاپا گھر پر نہ ہوں...... فاصلوں اور اوقات کے فرق نے ایک مسئلے پر بات کرنے کو بھی مشکل بنا دیا تھا۔

اپنے دفتر پہنچ کر فون کی گھنٹی کی آواز بند کی تاکہ معمول کے دفتر کے کام کا آغاز کرسکوں، فون بیگ میں رکھا تھا، گیارہ بجے کافی کا وقفہ ہوا تو مجھے فون کا خیال آیا کہ مجھے تو صدف کو فون کرنا تھا، فون باہر نکالا تو اس پر نیلم کی کئی مسڈ کالیں تھیں اور فاطش کا پیغام...... ”آپی آپ سے کس وقت بات کی جاسکتی ہے؟“ تو گویا معاملہ بہت سنجیدہ تھا، میں نے مما سے جلد ہی بات کرنے کا سوچا اور پہلے صدف کا نمبر ملانے لگی، کئی بار گھنٹی بجتی رہی مگر اس نے فون نہ اٹھایا، میں نے وقت دیکھا، اس وقت تو یقیناً وہ اپنی کلاس میں ہوگی...... بعد میں کال کرنے کا سوچ کر میں کافی ختم کرکے اپنے کام پر لگ گئی۔

☆☆☆

”عمر مجھے مما کی طرف جانا تھا......“ میں نے آہستگی سے کہا۔

”خیریت؟“ انہوں نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

”خیریت ہی ہے......“ میں مسکرائی، اس مسکراہٹ نے کتنے ہی آنسوؤں کو اپنے قدموں تلے روندا تھا۔ ”مما اداس ہورہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں چکر لگا لوں ان کی طرف۔“

”ان کے یہاں آنے پر پابندی تو نہیں...... میں انہیں واپسی پر لیتا ہوا آؤں گا۔“ چائے کا کپ رکھ کر انہوں نے کہا۔

”نہیں، نہیں......“ میں نے فوراً کہا۔ ”وہ نہیں آئیں گی۔“ ان کے یہاں آنے پر کوئی پابندی تھی نہ انہیں آنے پر کوئی اعتراض ہوتا، عمر جاتے تو وہ انہیں انکار بھی نہ کرتیں...... مگر مسئلہ یہ تھا کہ نہ تو مما نے کال کرکے مجھے آنے کو کہا تھا اور نہ ہی ان کے میرے گھر آنے پر میں ان کے ساتھ کھل کر اس مسئلے پر بات کرسکتی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے ناں کہ کل ناہید آ رہی ہے؟'' عمر نے سوال کیا۔

''ہاں...... بتایا تھا اماں نے مجھے...... اسی لیے سوچ رہی ہوں کہ جا کر مما کو مل آؤں کہ اس کے بعد چند دن تک نکلنا مشکل ہوگا۔''

''چلو پھر فوراً تیار ہو جاؤ تو میں تمہیں چھوڑتا ہوا چلا جاتا ہوں۔''

''آپ کو دیر ہو جائے گی، میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی اور مجھے ابھی اماں سے اجازت بھی لینی ہے۔''

''اماں سے میں بات کر لیتا ہوں اور ڈرائیور میرے ساتھ جا رہا ہے اس لیے تم تیار ہو جاؤ جلدی سے۔'' عمر کے اصرار پر مجھے کوئی بہانہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ ''میری بھی ملاقات ہو جائے گی انکل اور آنٹی سے، آخر وہ میرے لیے بھی تو اداس ہوں گی ناں۔''

میرے پاس کوئی راہِ فرار نہ تھی سو تیار ہونے چل دی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی مجھے یاد آیا کہ چند روز قبل اماں نے مجھ سے کہا تھا کہ ناہید کے بیٹے نبیل کے متعلق عمر سے بات کروں، مجھے یہ وقت اور موقع مناسب لگا......

''عمر آپ کو علم ہے کہ ناہید آپی کیوں آ رہی ہیں؟'' میں نے انگریزی میں سوال کیا کیونکہ عقبی نشست پر ڈرائیور بھی بیٹھا تھا۔

''ہاں...... نبیل کی شادی کرنے کے لیے آ رہی ہوں گی!'' عمر کا لہجہ اور انداز دونوں سرسری تھے۔

''اماں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کی خواہش تھی کہ ناہید آپی نبیل کے لیے بیلی کا رشتہ لیتیں؟'' میری بات ختم ہوتے ہی عمر نے سر گھما کر میری طرف دیکھا، ان کے چہرے پر تناؤ تھا۔

''تم میری محبت، میری چاہت اور میری من پسند بیوی سہی مگر مجھے اچھا نہیں لگا کہ اماں نے تم سے اس مسئلے پر بات کی اور تمہیں بتایا کہ......'' میرے دل پر گھونسا سا لگا۔

''کیوں؟ اس میں کیا قباحت ہے......؟ کیا میں اس گھر کی فرد نہیں یا میں اس قابل نہیں کہ مجھ سے آپ اپنے بچوں کے بارے میں بات کریں...... اتنے سال سے میرا اور آپ کا ساتھ ہے، کیا میرے کسی عمل سے آپ کو ایسا لگا کہ میں ان بچوں کو اپنے بچے نہیں سمجھتی؟'' میرے آنسو تو اتر سے بہنے لگے۔

''ایسی کوئی بات نہیں نیل پیاری......'' عمر نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کسی کو یہ علم ہو کہ میں نے خود بول کر ناہید سے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور خود میں نے اماں سے کہلوایا تھا۔ ناہید کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا اور وہ خوشی، خوشی پاکستان آئی، ارادہ تھا کہ نبیل اور بیلی کی منگنی کر دیں گے، ہم دونوں بہن بھائی سارا پروگرام طے کر چکے تھے، منگنی کی تاریخ تک مقرر ہو چکی تھی...... اسی دوران وہ اپنے سسرال والوں سے ملنے کے لیے گئی اور وہاں جا کر اس کے بیٹے کو......''

''جانتی ہوں سب عمر......'' میں نے انہیں ٹوکا۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اگر آپ نے اپنی طرف سے خواہش کا اظہار کر دیا؟''

''بیٹیوں کے باپ اپنے منہ سے بھلا کب کہتے ہیں ایسی بات؟'' عمر نے فوراً کہا۔

''آپ کو معلوم ہے ناں عمر...... کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کو شادی کا پیغام حضرت خدیجہؓ نے خود بھجوایا تھا، وہ ان سے شادی کی خواہش مند تھیں، کہیں ایسا نہیں لکھا ہوا ہے کہ لڑکی کی طرف سے شادی کا پیغام نہیں دیا جا سکتا...... ایک رواج بن گیا ہے ہمارے ہاں مگر لڑکی والوں کی طرف سے شادی کی خواہش کا اظہار کرنا کوئی گناہ تو نہیں۔''

''اب گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا فائدہ......'' عمر نے بے دلی سے کہا۔ ''اب تو وہ نبیل کی شادی کرنے کے لیے آ رہی ہے سو آئے، کرے، اور واپس جائے...... اسے غالباً ہمارے گھر میں رہ کر ہی شادی کرنا پڑے گی کیونکہ اس کی سسرال کا گھر چھوٹا ہے اس کے علاوہ اس میں اس کی سسرال کے ڈھیروں لوگ

رہتے ہیں اور اس کا اپنا کوئی گھر یہاں نہیں ہے سو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میری بیٹی کے نصیب اس گھر میں نہ تھے تو کیا ہوا۔ اللہ نے اس کے لیے کچھ بہت اچھا رکھا ہوگا، تم اس کی ماں ہو دعا کیا کرو۔'' عمر کے کہنے پر میرا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

''کیا معلوم کہ ہماری بیٹی کے نصیب کتنے اچھے ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''کیا معلوم کہ اللہ کو آپ کی کون سی ادا پسند آ گئی کہ اس نے آپ کی خواہش کو پورا کرنے کے اسباب پیدا کر دیے۔''

''میں سمجھا نہیں...... کیا اماں نے بیلی کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈا ہے جس کا مجھے علم نہیں؟''

''آپ کی خواہش تھی ناں کہ بیلی کا رشتہ نبیل سے ہو......'' میں رکی۔ ''تو اللہ نے آپ کی سن لی ہے اور ناہید آپی اسی لیے پاکستان آ رہی ہیں کہ آپ کے سامنے بیلی کے لیے دوبارہ دستِ سوال دراز کریں۔''

گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور پوری قوت سے بریک لگا کر عمر نے گاڑی روکی۔

''کیا کہا تم نے؟'' عمر نے نہایت حیرت سے پوچھا۔

''ہاں نبیل...... وہی کہا ہے میں نے جو آپ نے سنا ہے۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ نبیل نے ڈرائیور کو گاڑی سے باہر نکلنے کو کہا، وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

''آج کے بعد دوبارہ کبھی نہیں۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ کی انگلی اٹھا کر مجھے تنبیہ کی۔ ''دوبارہ اس گھر میں اس موضوع پر کوئی اور بات نہ کرے...... ایسا مذاق مجھے بالکل پسند نہیں!''

''میں مذاق نہیں کر رہی عمر!'' میں نے بہ مشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''مذاق نہیں تو پھر بھی اس موضوع کو یہیں بند کر دو!'' اس کے بعد انہوں نے اپنے لب سختی سے بھینچ لیے، گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی ڈرائیور سے اندر بیٹھنے کو کہا اور مجھے مما کے گھر کے گیٹ کے سامنے باہر ہی اتار کر چل دیے، میں بھی چاہتی تھی کہ وہ اس غصے کی حالت میں اندر نہ آئیں۔

''پاپا گھر پر نہیں ہیں کیا؟'' میں نے گیٹ کھلنے پر پاپا کی گاڑی وہاں نہ پا کر چوکیدار سے پوچھا۔

''وہ شہر سے باہر گئے ہیں بٹیا!''

''آج ہی گئے ہیں کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''دو تین دن ہو گئے ہیں بیٹا!'' میری اس روز مما سے بات ہی نہ ہوئی تھی نہ ہی مما نے بتایا تھا کہ پاپا گھر پر نہیں ہیں۔ گھر کے اندر داخل ہوئی تو مما لاؤنج میں اسود کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔

''اسود سکول نہیں گیا مما؟'' میں نے پوچھا۔ ''طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟''

''اسے بخار ہے بیٹا، فاطش کا کالج جانا بہت ضروری تھا، اس کا کوئی اہم لیکچر تھا، جلدی واپس آ جائے گی۔'' مما نے آہستہ سے کہا۔ ''کیسی ہو تم، کیسے آنا ہوا یوں صبح سویرے؟''

''آپ ٹھیک ہیں مما، مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں؟'' میں نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''میرے ساتھ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے بیٹا، ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔'' ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں...... میں نے انہیں ایسا کمزور اور بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

''میں آپ سے ملنے کو بہت بے چین تھی مما، آپ کے فون نے میری نیندیں اڑا دیں ہیں مما...... ایسا کیا ہو گیا ہے اچانک آپ کی پُرسکون زندگی میں؟''

''میری زندگی تو طوفانوں کا مجموعہ ہے بیٹا، اس میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے، میں نے ہر طوفان کو اپنے وجود کی گہرائیوں میں ہمیشہ چھپا چھپا کر رکھا بیٹا مگر برداشت کا بھی ایک نکتۂ انتہا ہوتا ہے، پیمانہ حد سے زیادہ بھر جائے تو لبریز ہو کر چھلکنے لگتا ہے، میں نے بھی عمر بھر خود پر سب جھیلا اور برداشت کیا ہے مگر اب سوچا ہے کہ اپنی زندگی کو اپنے لیے جیوں، اس کے لیے مجھے تم سب کو اپنا فیصلہ بتانا پڑا، تم سب اب سمجھدار ہو، شادی شدہ ہو...... اب تم لوگ میری زندگی کے

معاملات کی نزاکت کو سمجھ سکو گی۔'' انہوں نے اپنا سر صوفے کی بیک سے لگا لیا اور خاموش ہو گئیں، میں نے انہیں کچھ نہ کہا، میں چاہتی تھی کہ وہ اپنا دل خود کھول کر میرے سامنے رکھیں۔

☆☆☆

لنچ بریک کے بعد میں نے دوبارہ نمبر ملایا تو صدف نے تیسری چوتھی گھنٹی پر فون اٹھا لیا، سلام کیا اور مجھے انتظار کرنے کو کہا، میں فون کے دوسری طرف ہونے والی کھڑ پڑ کو سن رہی تھی، وہ غالباً کلاس میں تھی، میں نے اسے استاد سے اجازت لیتے ہوئے بھی سنا اور پھر وہ کلاس سے باہر آ گئی۔

''آپ ٹھیک ہیں آپی؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ!''

''آپی میں تو بہت پریشان ہوں، بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں ...... جانے کیا ہونے والا ہے، کیسا طوفان آنے والا ہے...... اس عمر میں...... شادی کے اتنے سالوں کے بعد اور ہم سب کی شادیاں کر کے ...... مما کو کیا ہو گیا ہے، میں تو سوچ رہی تھی کہ کہیں مما کی ذہنی حالت تو خراب نہیں ہو گئی؟'' وہ رو رہی تھی۔

''تم خود کو سنبھالو صدف میری جان! میں دو ایک دن میں فاطش سے بات کرتی ہوں اور پھر مما سے بھی، ٹیلی فون پر تو بات اسی طرح ہو سکتی ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مگر مما نے ایسا سوچا کیونکر آپی؟'' اس کی سسکیاں نہیں رک رہی تھیں۔ ''آپ نیلم سے بات کریں اور اسے کہیں کہ وہ مما سے بات کرے جا کر، مما اس سے پیار بھی بہت کرتی ہیں۔''

''مجھے تو لگتا ہے کہ مما سب سے زیادہ تم سے پیار کرتی ہیں......'' میں نے ہنسنے کی ناکام کوشش کی۔ ''ہم سب سے مما اتنا ہی پیار کرتی ہیں پیاری کہ کس سے زیادہ اور کس سے کم کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔''

''پھر میں مما سے پوچھوں کہ کیوں ایسا فیصلہ کر رہی ہیں وہ؟'' صدف نے فوراً پوچھا۔ ''مگر میرے لیے احمد کے فون سے اتنی لمبی کال کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسکائپ پر بات کا وقت بھی عموماً تنہائی میں نہیں ملتا۔''

''تم خود کو پریشان نہ کرو میری جان، تمہارا آخری سمسٹر ہے اور تمہاری چار سال کی محنت ضائع جائے گی جو تم نے خود کو دماغی طور پر پُرسکون نہ کیا تو۔'' میں نے اسے سمجھایا، مجھے علم تھا کہ وہ امتیازی نمبروں سے ڈگری حاصل کرنے جا رہی تھی، فائنل سمسٹر میں اس طرح کی پریشانی اس کی کارکردگی کو متاثر کر سکتی تھی۔ میں نے اسے مطمئن کر کے فون بند کیا، کرسی کی پشت سے سر لگایا اور آنکھیں موند لیں، میرے آنسو میری آنکھوں کے گوشوں سے بہنے لگے، مما نے ایسا فیصلہ اب کیوں کرنے کا سوچا، انہیں تو یہ فیصلہ برسوں پہلے کر لینا چاہیے تھا، میری بند آنکھوں کے اندر فلم چلنے لگی...... میں غالباً سات آٹھ برس کی تھی، پاپا اور مما کی دوست راحیلہ آنٹی، ہمارے گھر کا ڈرائنگ روم، مما گھر پر نہ تھیں، جانے میں کیوں ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھی، مجھے پاپا اور راحیلہ آنٹی کو دیکھ کر کچھ عجیب سا لگا چاہے اصل صورتِ حال کی سمجھ نہ آئی تھی، انہوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا...... مگر مجھے میری چھٹی حس نے یہ ضرور بتا دیا کہ کچھ غلط ہو رہا تھا۔ راحیلہ آنٹی، مما کی انتہائی قریبی سہیلی تھیں اور بہت عرصے سے تھیں، ان کا ایسے وقت میں ہمارے گھر آنا جس وقت مما گھر پر نہیں ہوتی تھیں، وہی عجیب تھا اور وہ بھی اکیلے۔

''مما...... مجھے راحیلہ آنٹی بہت گندی لگتی ہیں۔'' میں نے اپنی معصومیت میں مما سے کہا تھا۔

''وہ تو میری بہت پیاری دوست ہے چندا...... ہم بچپن سے بہنوں کی طرح ساتھ رہی ہیں، اسکول، کالج اور پھر اب تک ہماری دوستی قائم ہے ...... ہماری شادیاں ہوئیں تو ہم ایک دوسرے سے جیسے بچھڑ گئیں مگر بعد میں جب انکل ثقلین کی آپ کے پاپا سے دوستی ہو گئی تو اب تو ہمارا یہ دوستی کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا ہے۔''

''نہیں مما......'' میں مصر تھی۔ ''وہ اچھی نہیں ہیں پلیز!''

''اچھا چلیں اگر وہ میری بیٹی کو اچھی نہیں لگتیں تو میں اپنی بیٹی کو ان سے ملنے پر مجبور نہیں کروں گی۔'' مما نے مجھے بہلایا۔ ''مگر وہ میری بیٹی کو اچھی کیوں نہیں لگتیں؟'' انہوں نے میرا سر سہلا کر پوچھا۔

''نہیں مما...... آپ ان کا اپنے گھر میں آنا بند کر دیں، وہ ہمارے گھر میں نہ آئیں۔'' میری آنکھوں سے مما کی شفقت کے باعث آنسو جاری ہو گئے، مجھے یقین تھا کہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میری مما کے علم میں نہ تھا۔

''یہ تو بڑی گستاخی کی بات کی ہے میری بیٹی نے ...... میں تو آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔'' مما کے چہرے پر ناراضی ثبت تھی، میں اس ناراضی سے خوفزدہ رہتی تھی، وہ مجھ سے بات نہ کرتیں تو میرے دل کی دنیا اتھل پتھل ہو جاتی۔

''مما......'' میں نے ان کا ہاتھ تھام کر، انہیں وہ سب بتا دیا تھا جو میں نے دیکھا تھا، معصوم عمر تھی، میں ان معاملات کی نزاکتوں کو نہ سمجھتی تھی اس لیے میں نے کچھ نہ چھپایا تھا، ان کا چہرہ دھواں، دھواں ہو رہا تھا، میں خود ساری داستان سنا کر ان کا چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

''بس...... اب میری بیٹی نے مجھے تو بتا دیا ہے مگر کسی اور کو کچھ نہیں بتانا...... کسی کو بھی نہیں بیٹا!'' مما نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ ''میں آئندہ خیال رکھوں گی کہ راحیلہ آنٹی میرے گھر میں نہ آئیں۔'' مما نے میرے گال پر بوسہ دیا، میں نے ان کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے ستارے دیکھے تھے۔ جانے بعد میں مما نے راحیلہ آنٹی سے کیا کہا ہو گا، ان کا ہمارے ہاں آنا جانا بند ہو گیا، مما بھی ان کے ہاں نہ جاتیں اور وہ ہر روز کی گھنٹوں لمبی کالیں بھی منقطع ہو گئیں، نہ صرف راحیلہ آنٹی کے ہاں...... مما نے تو گھر سے نکلنا ہی بند کر دیا، ان کا آنا جانا اپنی ویلفیئر تنظیم کے کاموں کے سلسلے میں ہوتا تھا مگر اس کے بعد انہوں نے جانا چھوڑ دیا اور تنظیم کے کاموں کو گھر سے ہی چلانے لگیں۔

''ارے بھئی کہاں گئیں وہ آپ کی سہیلی...... کیا نام تھا ان کا...... راحیلہ!'' پاپا نے ایک دن لاؤنج میں بیٹھے ہوئے مما سے بڑی بے نیازی سے پوچھا، میں اس وقت وہیں بیٹھی اپنا ہوم ورک کر رہی تھی۔

''میری یا آپ کی؟'' مما کے مختصر سوال نے پاپا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

''بچی کے سامنے کیسی بے ہودہ بات کر رہی ہیں آپ؟'' پاپا نے غصے سے مما سے کہا۔

''آپ نے جو کچھ بچی کے سامنے اس گھر کے ڈرائنگ روم میں کیا ہے، راحیلہ کے ساتھ...... وہ میری اس بات سے کہیں زیادہ بے ہودہ ہے......'' میں بے نیازی سے اپنا کام کر رہی تھی، ان کی گفتگو میں سن تو رہی تھی مگر ان کے مطالب سے کافی حد تک ناآشنا۔

''میں نے کچھ ایسا نہیں کیا، اسے کیا سمجھ ہے چھوٹی سی بچی ہی تو ہے، جانے کیا سمجھ بیٹھی، مجھے تو یاد بھی نہیں کہ میں کبھی راحیلہ کے ساتھ تنہا......'' پاپا کی زبان ان کے جھوٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''میں نے خود دیکھا تھا پاپا...... آپ اور آنٹی......'' میں نے پاپا کے سامنے نقشہ کھینچا تو ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

''وہ اصل میں......'' وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ ''اس کے پیٹ میں درد تھا......'' وہ بہانے گھڑ رہے تھے۔

''رانی آپ جاؤ بیٹا، اپنے کمرے میں جا کر کام کرو بہنوں کے ساتھ بیٹھ کر۔'' مما نے حکم دیا تو میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مگر مما میں نے آپ سے سوال سمجھنا تھے۔''

''میں تھوڑی دیر میں آ کر سمجھا دوں گی بیٹا!''

میں نے اپنی کتابیں کاپیاں سمیٹیں اور چل دی۔

''دانیال......'' مما کی آواز میں نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سنی۔ ''کیوں کیا آپ نے ایسا؟'' ان کی سسکیاں مجھے سنائی دیں۔

''سوری جان......'' پاپا کی آواز سنائی دی، میں تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ پاپا نے یقیناً مما سے معافی مانگ لی تھی کیونکہ گھر کے

حالات اس کے بعد بالکل نارمل ہو گئے تھے، کبھی کوئی لڑائی جھگڑا ہوا نہ کوئی اور ناگوار واقعہ، کم از کم میرے سامنے نہیں، باقی بہنیں تو اس وقت کافی چھوٹی تھیں۔
اب میری یاد کے نہاں خانوں میں اس بھولے بھٹکے واقعے کی یاد تازہ ہو گئی تھی، میں اس منظر کو اب یاد کرتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پاپا اور راحیلہ آنٹی کے بیچ کچھ بہت غلط تھا یا غالباً پہلی اور آخری بار ایسا ہوا ہوگا، مما کا ظرف بہت بڑا تھا جو پاپا کو معاف کر دیا۔ انہوں نے پاپا کو اس وقت معاف کر دیا تھا جو اُن کی جوانی کی عمر کی ایک بڑی غلطی تھی بلکہ بہت بڑا گناہ تھا...... تو اب پاپا نے اس سے برا کیا کر دیا ہے جو مما نے ان سے خلع لینے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ سوچ کی حدیں یہاں آ کر ختم ہو جاتی تھیں۔

☆☆☆

رانی آپی سے بات کر کے بھی دل کو سکون نہیں ملا تھا، بے چینی بڑھ گئی تھی، اتنی کہ رگوں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں گھر پر اکیلی تھی، شاید سو گئی تھی، آنکھ کھلی تو میں اپنے گھر پر نہ تھی، عجیب سا کمرا تھا، سفید سفید اور مانوس سی خوشبو والا۔ میں کسی اسپتال میں تھی۔ ''کیا ہوا تھا مجھے؟' میں نے سوچا تو ساتھ ہی احمد کا چہرہ نظر آیا۔
''کیسی ہو میری جان؟''
''میں کہاں ہوں احمد؟'' میں نے کہا تو مجھے لگا کہ میری آواز کسی کنویں سے آ رہی ہو۔
''تم اس وقت اسپتال میں ہو، میں گھر لوٹا تو تم گھر پر بے ہوش پڑی ہوئی تھیں، میں نے ایمرجنسی میں کال کر کے ایمبولینس منگوائی اور تمہیں یہاں لے آیا۔''
''میں بے ہوش کیوں ہو گئی تھی؟'' حیرت سی حیرت تھی۔
''میں تو سمجھا کہ تم نے کچھ کھایا نہیں ہے مگر ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تمہیں نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔'' احمد میرا ہاتھ سہلا رہا تھا۔
''نروس بریک ڈاؤن؟'' میں سوچ کر رہ گئی۔
''مگر... کیوں!''

''تم بے ہوشی میں کچھ بڑبڑا بھی رہی تھیں......''
''اچھا......'' میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''کیا؟''
''تم اپنی مما کو بہت یاد کر رہی تھیں......'' احمد نے کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں چند ہفتوں کے لیے پاکستان بھیج دوں، میں تو جا نہیں سکتا، بڑی مشکل سے اتنی اچھی ملازمت ملی ہے اور شام میں میری کلاسز ہوتی ہیں تو میں وقت نہیں نکال سکتا، تم جا کر چند ہفتے مما کے پاس رہ کر آ جاؤ، طبیعت بہتر ہو جائے گی اور اس کے بعد چونکہ ہم نے اپنی فیملی شروع کرنا ہے پھر تو تم کافی عرصے کے لیے نہیں جا سکو گی۔'' شادی کے اتنے سالوں کے بعد بھی احمد کی اس بات پر میرے کان گرم ہو گئے تھے۔
''نہیں احمد، ابھی میں پاکستان جانا افورڈ نہیں کر سکتی، بہت اخراجات ہو جاتے ہیں۔'' میں نے تاویل پیش کی۔ ''اب تو ہمارے اپارٹمنٹ کی قسط بھی جایا کرے گی اور ہم نے تہیہ کیا ہے کہ اپنے والدین سے اب کوئی مدد نہیں لیں گے......''
''سب جانتا ہوں، میرے پاس کچھ بچت ہے جو تمہارے اکیلے پاکستان جانے کے لیے کافی ہے، تم بے فکر ہو کر جاؤ میری جان۔'' احمد نے اصرار کیا تو میں خاموش ہو گئی۔
دل میں خیال بھی آیا کہ احمد کی امی یعنی میری پھپھو سوچیں گی کہ میں نے اپنے والدین سے ملنے کے لیے آنے میں خود غرضی دکھائی ہے۔ ''پھر دونوں چلتے ہیں احمد!''
''ابھی نہیں ڈیئر!''
''میں آخری بار پاپا سے رقم منگوا لیتی ہوں احمد!''
''رقم منگوانا یا نہ منگوانا اہم نہیں...... ابھی میں اپنی نئی ملازمت سے چھٹی نہیں لے سکتا ورنہ مستقل چھٹی مل جائے گی...... ہزاروں، ایسی ملازمتوں کے انتظار میں فارغ بیٹھے ہیں، کسی اور کو رکھ لیں گے کمپنی والے......''
احمد کی اس دلیل کا جواب نہ تھا میرے پاس۔

اگلے روز مجھے کچھ سکون آور دوائیں دے کر اسپتال سے رخصت کر دیا گیا، ابھی تک مجھے سمجھ میں نہ آیا تھا کہ مجھے نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا تھا، میں احمد سے پوچھتی تو وہ ٹال جاتے تھے۔ کیا میں نے مما کی بات کا اتنا اثر لیا تھا یا کچھ اور ہوا تھا؟

☆☆☆

میری بہنوں کو مجھ سے اس بات کا گلہ ہے کہ میں ان سے اپنے دل کی باتیں شیئر نہیں کرتی، پر میں سوچتی ہوں وہ سب اپنے، اپنے گھروں میں خوش ہیں، انہیں میرے مسائل سے کیا غرض...... اور ان سے اگر کہہ دوں گی تو کیا میری تکالیف اور میرے مسائل، میری سوچیں ختم ہو جائیں گی؟
نیلم تو مجھ سے بارہا تقریباً لڑ چکی ہے کہ میں تانیہ خالہ کے ساتھ بہت برا رویہ رکھتی ہوں...... مگر کیا کروں، جس خالہ کو ہم نے اپنے گھر میں بہنوں کی طرح دیکھا اور سمجھا اب، وہی خالہ......؟ کیا کہے کوئی، ان کے بارے میں بات کرو تو اپنا پیٹ ہی ننگا ہوتا ہے۔ خالہ کے بارے میں بہت بچپن سے ہی میری یادیں ایسی خوشگوار نہیں ہیں حالانکہ خالہ سب بہنوں میں مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتی تھیں۔ کئی کئی دن ہمارے ہاں آ کر رہتیں، خالہ بہت خوب صورت اور تعلیم یافتہ تھیں مگر ان کی شادی جس خاندان میں ہوئی اس خاندان میں غالباً ان کے سوا کوئی اور خاتون پڑھی لکھی نہ تھی، مردوں میں بھی تعلیم کا رواج نہ تھا کہ اپنے خاندانی کاروبار تھے۔ خالو کا بھی منڈی میں آڑھت کا کام تھا، روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی اس لیے خالہ اچھا پہنتی اوڑھتی تھیں۔

پاپا کا ملتان میں آٹھ دس دن کا کام تھا، خالہ نے کال کر کے مما سے کہا کہ فاطش کو بھجوا دیں، میں اس وقت تیسری جماعت میں پڑھتی تھی غالباً...... پاپا کے ساتھ خوشی، خوشی چلی گئی۔ پاپا کو مجھے خالہ کے گھر چھوڑ کر ہوٹل میں قیام کے لیے جانا تھا مگر خالو اور ان کے والدین نے اصرار کیا کہ وہ بھی وہیں گھر پر رکیں تو پاپا

کو "مجبوراً" رکنا پڑا تھا، خالو صبح کے گئے رات کی خبر لاتے، خالہ کے ساس سسر جانے کیا کھا کر سوتے تھے کہ دن بھر سوئے رہتے، پاپا تیار ہو کر نکلتے، شاید کوئی کام کرنے جاتے ہوں گے مگر جلد ہی لوٹ آتے اور باقی دن گھر میں گزارتے، شام کو خالو کے آنے سے پہلے دوبارہ چلے جاتے اور رات گئے لوٹتے۔ میں صبح دیر تک سوتی تھی، اکثر میری آنکھ کھلتی تو اس وقت کمرے میں میرے علاوہ پاپا اور خالہ بھی ہوتے تھے، میری اس وقت سے متعلق کوئی اچھی یادیں نہیں تھیں، خالہ مجھے کچھ عجیب سی لگتیں، اپنے گھر میں بھی وہ اکثر اسی کمرے میں ہوتی تھیں جس میں میں اور پاپا سو رہے ہوتے تھے۔

ملتان سے واپسی پر خالہ ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھیں، خالو سے انہوں نے اجازت طلب کی، خالو اس روز گھر پر ہی تھے......

"ابھی تو فاطش تمہارے پاس کچھ دن گزار کر جا رہی ہے، چند دن کے بعد میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا، ابھی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے......" خالو نے کہا تھا۔

"فاطش بہت اصرار کر رہی ہے......" خالہ منمنائی تھیں۔ "اماں کو تو مستقل کوئی نہ کوئی مرض رہتا ہے، ان کی وجہ سے کیا میں پابند ہو کر رہ جاؤں؟ ابھی تو دانیال بھائی آئے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ چلی جاؤں گی، بعد میں......" خالہ نے خاصا اصرار کیا تھا۔

"میں چلا جاؤں گا تمہارے ساتھ۔" خالو نے پیش کش کی۔

"کہاں سے آئے گا ایسا دن جب آپ کو میرے ساتھ جانے کی فرصت ملے گی، آج تک تو سورج کسی ایسی سمت سے نکلا نہیں کہ ایک مختلف دن طلوع ہو۔" خالہ نے طنز کے تیر چلائے، ساری گفتگو ہمارے سامنے ہو رہی تھی۔

"بھئی بھیج دیں ناں ہماری بیٹی کو ہمارے ساتھ۔" پاپا کا کہا خالو ٹال نہ سکے۔ خالہ نے اپنا سامان پہلے سے ہی تیار کر رکھا تھا "اجازت" ملنے کی دیر تھی کہ ہم جانے کو تیار تھے، گھر سے نکلتے وقت میں گاڑی میں آگے پاپا کے ساتھ بیٹھی تھی اور خالہ پچھلی سیٹ پر تنہا...... شہر کی حدود سے نکلتے ہی پاپا نے گاڑی روکی اور خالہ سے آگے آنے کو کہا، خالہ نے گاڑی سے نکل کر مجھے باہر نکالا، خود پہلے بیٹھیں اور اس کے بعد کھڑکی کی طرف مجھے بٹھایا......

"میری بیٹی کھڑکی سے باہر دیکھے گی۔" خالہ نے کہا تو مگر میرا تجسس مجھے بار، بار اندر دیکھنے پر مجبور کر دیتا، مجھے چاہے لاکھ برا لگ رہا تھا مگر میں کچھ کہہ نہ سکی۔ گھر سے تھوڑے فاصلے پر ہی پاپا نے گاڑی روکی اور خالہ واپس پچھلی سیٹ پر چلی گئیں۔

میں نے انہیں بارہا پاپا کے بہت قریب دیکھا، مما کے سامنے تو پاپا، خالہ کو اپنی بیٹیوں کی طرح کہتے تھے مگر نہیں...... کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا، میں چھوٹی سی بچی سہی مگر مما کے ساتھ دھوکا ہو رہا تھا یہ بات میں سمجھ رہی تھی۔ اپنے گھر میں اتنے دھڑلے سے وہ پاپا کے ساتھ...... مجھے بھی غالباً وہ دودھ میں کچھ ملا کر دیتی تھیں کہ جب میں جاگتی تھی تو میں اس طرح تازہ اور چاق و چوبند نہیں ہوتی تھی جیسی میں اپنے گھر میں ہوتی تھی۔ پاپا کی خالہ کے ساتھ "شفقت" مجھے عروج پر نظر آتی۔ ہمارے گھر میں بھی میں نے کئی مواقع پر انہیں غلط انداز میں دیکھا تھا۔

بڑی ہوئی تو دیکھا کہ اکثر ہی خالہ میکے آئی ہوتیں کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی اس لیے وہ بچوں کی پڑھائی کی مجبوری میں بھی نہ بندھ سکی تھیں، دو ایک دن نانی کے پاس رہ کر وہ اپنے باقی ماندہ دن ہمارے ہاں گزارتیں۔ خالہ آ جاتیں تو مما کے کئی رکے ہوئے کام شروع ہو جاتے، ان کے ہوتے ہوئے وہ اپنی دوستوں سے ملتیں، پارٹیاں اٹینڈ کرتیں، اپنے رفاہی کاموں کے منصوبوں کو وقت دیتیں، خریداری کرتیں، گھر کے کئی رکے ہوئے کام شروع ہو جاتے اور مما اتنی مصروف ہو جاتیں کہ سارا گھر تانیہ خالہ کے کندھوں پر آن پڑتا۔ شروع شروع میں مجھے محسوس

ہوتا کہ مما کو خالہ کو بھی وقت دینا چاہیے۔

ہم ساری بہنیں خالہ کے ساتھ مل کر خوب ہلا گلا کرتیں، پاپا بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاتے، مما گھر پر ہوتیں تو اور بھی سماں بندھتا، میں نے اکثر کھیل اور ہلے گلے کے دوران پاپا اور خالہ کو زبانی اور عملی مذاق کرتے ہوئے پکڑا مگر کچھ کہہ نہ سکی، باقی کسی اور کو شک نہ ہوتا کیونکہ انہوں نے کبھی وہ نہ دیکھا تھا جو میں نے دیکھا تھا، اب وہ سب ایک دھندلی سی یاد کی طرح میرے ذہن کے نہاں خانوں میں تھا مگر میرا دل خالہ کی طرف سے کبھی صاف نہ ہوا تھا۔ جب آپ کسی کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں تو شک کی تسکین کو کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے، میں نے بارہا خالہ اور پاپا کو مما کی گھر میں عدم موجودگی میں مختلف اوقات میں یوں اکٹھے کسی نہ کسی کمرے میں دیکھا جہاں انہیں نہیں ہونا چاہیے تھا...... یا کم از کم ان کمروں کے دروازے لاک نہیں ہونا چاہیے تھے۔ کبھی کبھار سوچتی کہ بہنوں سے شیئر کروں مگر رک جاتی، جانے وہ میرے ساتھ کس طرح پیش آتیں، مما کیا سوچتیں کہ میں پاپا اور ان کی بہن پر بہتان لگا رہی ہوں۔

☆☆☆

"خالہ......" میں دسویں جماعت میں تھی جب ایک بار میں نے خود ہی خالہ سے بات کرنے کا سوچا تھا، اس کے بعد میری ہمت نہ پڑی کہ میں کسی اور کے سامنے بات کرتی۔ "خالو میں کیا کمی ہے؟"

"تمہارے خالو میں نہیں بلکہ مجھ میں کمی ہے فاطش بیٹا...... میں نے تو انہیں بارہا کہا ہے کہ وہ اولاد کے لیے دوسری شادی کر لیں مگر وہ مانتے ہی نہیں۔" خالہ نے فخر سے بتایا۔ "مجھ سے وہ پیار ہی اتنا کرتے ہیں......"

"اگر وہ آپ سے اتنا پیار کرتے ہیں تو آپ بدلے میں ان کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟" میں نے ابرو اچکا کر ان سے پوچھا۔

"میں نے کیا، کیا ہے بدلے میں؟" انہوں نے جواباً ابرو اچکا کر میری طرف دیکھا۔

"آپ صرف خالو کے ساتھ ہی نہیں بلکہ میری مما کے ساتھ بھی دھوکا کر رہی ہیں، وہ آپ سے اتنا پیار کرتی ہیں اور آپ بدلے میں......" میری آواز بھرا گئی۔

"کیا بات کر رہی ہو فاطش...... کچھ عقل ہے تم میں کہ بڑوں کے ساتھ بات کس طرح کرتے ہیں؟" خالہ کی آواز بلند ہونے لگی۔

"اب میں وہ چھوٹی بچی نہیں رہی خالہ...... جس کے دودھ میں آپ جانے کیا ملا کر اسے سلاتی تھیں...... مگر کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دودھ ہضم نہیں ہوتا خالہ اور قے ہو جاتی ہے۔ شاید قدرت نے کسی بچی کو شعور دینا ہوتا ہے، اسے زندگی کی بدترین سچائی سے آگاہ کرنا ہوتا ہے...... قے ہو جائے خالہ تو بے ہوشی کی دوا اثر نہیں کرتی کیونکہ وہ قے کے ساتھ نکل جاتی ہے اور کمرے میں کوئی عجیب سی آواز آئے تو بھی بچی کی نیند ٹوٹ جاتی ہے...... کمرے میں اندھیرا بھی ہوتا ہے تو تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو جاتی ہیں...... دو لوگوں کے آپس میں باتیں کرنے کی آوازیں بھی آتی ہیں اور آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہونے پر وہ اتنی بھیانک حقیقت دیکھتی ہیں کہ کیا ہی کوئی خواب ایسا بھیانک ہوگا......"

"میں تمہاری بات کو سمجھی نہیں فاطش......" وہ میری بات کو سمجھ کر بھی انجان بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں خالہ......" میں نے غصے سے کہا۔ "تب میں آپ کی اور پاپا کی ایسی قربت کا مطلب نہیں سمجھتی تھی مگر اب سمجھتی ہوں......"

"تم بہت عجیب اور بے ہودہ الزامات لگا رہی ہو مجھ پر۔" وہ چیخیں۔

"میں اپنی مما کو کچھ بتا کر انہیں دکھ نہیں دینا چاہتی، بہتر ہے کہ آپ خود کو درست کر لیں...... پاپا سے اپنا تعلق ختم کر لیں۔" میں نے سفاکی سے کہا۔ "ورنہ میں کسی دن آپ کو اور پاپا کو مما کے سامنے کھڑا کر دوں گی اور دونوں سے اس سوال کا جواب مانگوں گی۔"

"دکھ ہو رہا ہے تمہاری سوچ پر......" ان کی

آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''وہ میرے بڑے بھائیوں کی طرح ہیں، بیٹا کہتے ہیں مجھے اور اپنی بیٹیوں جیسا ہی سمجھتے بھی ہیں اور اسی طرح میں ان کی عزت کرتی ہوں، تم نے ایسا سوچا بھی کیونکر؟'' وہ ہچکیوں سے رونے لگیں، مما جانے اس غلط وقت پر کیوں کمرے میں آ گئیں۔

''کیا ہوا تانو میری جان، کیوں رو رہی ہو بیٹا؟'' انہوں نے بیٹھ کر خالہ کو گلے سے لگا لیا، وہی خالہ جو اُن کی پیٹھ میں خنجر گھونپ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں حنا آپی...... بابا یاد آ گئے تھے...... میں نے تو ہوش سنبھالتے ہی دانیال بھائی کو باپ جیسا دیکھا ہے، اسی لیے بھاگ کر یہاں آتی ہوں کہ یہ گھر مجھے اپنے میکے جیسا لگتا ہے......''

''ہے ناں تمہارا میکا......'' مما بھی جذباتی ہو گئیں۔ ''کس نے کہا ہے کہ نہیں ہے ایسا؟''

''یونہی دل میں خیال آیا کہ کہیں کسی کو میرا یہاں آنا، یہاں آ کر کئی، کئی دن تک رہنا کھٹکتا نہ ہو!''

''ارے کیوں پاگلوں جیسی سوچ پالے بیٹھی ہو تم، میں اور دانیال دونوں تمہیں اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتے ہیں اور بچیاں سب کی سب تم پر جان دیتی ہیں۔'' مما نے پیار سے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیریں، خالہ مکاری سے آنسو بہا رہی تھیں...... اس کے بعد میری کسی سے کچھ کہنے کی کیا تاب ہوتی۔

☆☆☆

پاپا کے ساتھ بھی ڈھکے چھپے الفاظ میں اس پر بات ہو چکی تھی...... جب اشعر کا معاملہ میں نے گھر پر اٹھایا تو مما اور پاپا دونوں کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، پاپا ہم بیٹیوں کے معاملے میں نسبتاً دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اس لیے میں نے انہیں ہی قائل کرنے کا سوچا، وہ مان جاتے تو مما کو خود ہی منا لیتے۔ میں نے مما اور پاپا کے درمیان شروع سے ہی انتہا کی ذہنی ہم آہنگی دیکھی تھی، مما کو پاپا پر بے حد اعتماد تھا، جس کے ٹھوس ہونے میں مجھے شکوک تھے۔

''بیٹا...... میں نے اس کے بارے میں پوچھ تاچھ کی ہے، مجھے اشعر کے بارے میں کچھ اچھی رپورٹیں نہیں ملیں، سنا ہے کہ اشعر اور طرح کا نوجوان ہے، دل پھینک سا، لاابالی سا...... اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی ہے۔''

''مردوں کا کیا ہے پاپا، انہیں دوسری عورتوں سے دوستیاں پالنے کے لیے تو کسی جواز، کسی وجہ اور کسی عمر کی قید نہیں...... لڑکپن میں بھی پالتے ہیں، بیاہ سے پہلے بھی اور بیاہ کے بعد بھی، بچے نہ ہوں تب بھی اور ہوں تب بھی...... گھر میں چار، چار بیٹیاں ہوں تو بھی بیوی کی آنکھوں میں دھول جھونک دیتے ہیں۔'' پاپا جانے میرے اشاروں کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انہوں نے اس رشتے کی مخالفت کرنا چھوڑ دی۔ بعد میں انہوں نے ہی مما کو قائل کر لیا تھا۔

''جس شخص کے بارے میں شادی سے پہلے سے ہی علم ہو کہ وہ ایسا ہے...... ایسا تو آنکھ دیکھی مکھی نگلنے کے برابر ہے بیٹا!'' پاپا نے دلیل دی۔

''کم از کم اعتماد کرنے والے کو دھوکا دینے سے تو کم بڑا جرم ہے یہ پاپا......'' میں نے کہا۔ ''جانتی ہوں گی کہ وہ ایسا ہے تو اس پر نظر رکھوں گی...... مما کی طرح جو عورتیں اپنے شوہروں پر اندھا اعتماد کرتی ہیں ان کے ساتھ کیا اچھا ہوتا ہے پاپا؟ ان کے شوہر انہیں دھوکا نہیں دیتے کیا؟''

''تم کیا اول فول بات کر رہی ہو بیٹا...... اس معاملے میں جو بات ہو رہی ہے اس پر میں نے اپنی رائے دی ہے......''

''میری رائے بھی آپ کی رائے کا جواب ہے پاپا!'' میں نے ان کی طرف دیکھ کر دکھ سے کہا۔

''میں کوشش کروں گا بیٹا کہ تمہاری مما کو اس معاملے میں قائل کر سکوں......'' پاپا نے خود ہتھیار ڈالے اور مدعا مما پر ڈال دیا۔

''مما آپ پر اعتماد کرتی ہیں پاپا اور آپ کی بات مانتی ہیں...... وہ آپ کو خدا کے بعد اس دنیا میں سب سے معتبر سمجھتی ہیں، آپ کی بات ان کے لیے مستند ہوتی ہے، چاہے آپ اس کے مستحق ہوں یا نہ ہوں۔'' میری آنکھوں میں خواہ مخواہ آنسو آ گئے تھے۔

☆☆☆

''مما...... اتنی بڑی بات آپ نے کیونکر سوچ لی، ہوا کیا ہے؟'' میں نے اسود کے سو جانے کے بعد اسے مما کے کمرے میں لٹا کر واپس آ کر مما سے پوچھا۔

''میں برسوں سے سوچ رہی تھی بیٹا، بہت برداشت کے ساتھ رہ رہی تھی، اب مجھ میں مزید برداشت کی گنجائش نہیں رہی۔'' مما نے گہری سانس لی۔

''پھر بھی مما، ایسا کیا مختلف ہوا ہے اب آپ کے اور پاپا کے بیچ؟'' میں نے مما سے پھر سوال کیا۔

''ہم دونوں میں بظاہر جتنی ذہنی ہم آہنگی نظر آتی ہے وہ دوسروں کو نظر آتی ہے بیٹا، اندر سے ہم دریا کے ان دو کناروں کی طرح ہیں جو عمر بھر ساتھ، ساتھ چلتے ہیں مگر کہیں مل نہیں پاتے، جہاں دریا کے کنارے ملتے ہیں وہ دریا کا اختتام ہوتا ہے......''

''میں سمجھی نہیں مما!''

''تمہارے پاپا نے ہر راہ جاتی عورت سے مراسم رکھے ہیں بیٹا...... میں ہی کافی عرصہ لاعلم رہی، اب معلوم ہوا ہے تو اندازہ ہوا کہ میں تو ان کی زندگی میں کہیں تھی ہی نہیں۔'' مما کی آنکھیں نم تھیں۔ ''انہوں نے نہ تو کوئی سہیلی چھوڑی ہے میری، نہ رشتے دار اور نہ ہی کوئی ملازمہ...... مجھے تو تم سے یہ سب باتیں کرتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے مگر میں کس سے بات کروں، نہ کروں تو دل پھٹ جائے گا میرا!''

''مما...... آپ مجھ سے جو بات بھی کریں گی وہ ہم دونوں کے بیچ ہی رہے گی، فکر نہ کریں، آپ یقین رکھیں کہ ہم سب بیٹیاں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔'' میں نے یقین دلایا۔ مجھے بھرپور اعتماد اور یقین تھا کہ جب سب بہنیں مما کی بات کو سنیں گی تو انہیں حق بجانب سمجھیں گی۔ مما کی آخری بات پر مجھے کچھ یاد آیا۔ ''مما کیا نام تھا ہماری اس ملازمہ کا جسے آپ نے گھر سے نکال دیا تھا؟''

ہوتا ہے ہر روز

بہت مصروف ہوں میں
وقت بالکل بھی نہیں ملتا
کبھی بچوں کے جھگڑے ہیں......
کبھی گھر کی پریشانی......
کبھی ہیں جاب کے مسئلے......
کبھی ٹیچرز کی من مانی......
صبح سے شام ہو جاتی ہے
کیا کھانا پکانا ہے؟
اور یہ سوچوں بھی کہ
بچوں کے سنگ
کیا لنچ جانا ہے؟
کیا اسکول کا بھی کام
یا
مجھ کو کرانا ہے
قضا ہو جاتی ہے اکثر نماز
اس حیل وحجت میں
میاں بھی ہوتے ہیں شامل
برابر اس فضیحت میں
میں تھک کر سو رہا تھا
کس لیے مجھ کو جگاتی ہو
پرانی دشمنی ہے کیا؟
جو ہنگامہ مچاتی ہو
یوں ہی دن ڈوبتا ہے
رات کا آغاز ہوتا ہے
نئے دن کے لیے اِک
سوچ کا آغاز ہوتا ہے
پھر تھک کر لیٹتی ہوں
سوچ کو خاموش کرتی ہوں
تھکاوٹ سے میں سونے کو
یہ آنکھیں موند لیتی ہوں

شاعرہ: خولہ عرفان، کراچی

’’پائل......نام تھا اس کا!‘‘ مما جیسے نیند میں بولی تھیں، انہوں نے ذہن پر ایک لمحے کو بھی زور نہیں ڈالا۔

میرے ذہن کے نہاں خانوں میں اس کی یاد اتنی بری طرح ثبت تھی کہ اس کی تفصیل یاد آتے ہی میرے جسم کا سارا لہو گرم ہونے لگتا، کیسی بے حیا لڑکی تھی وہ، میں ہمیشہ سوچتی۔ اس زمانے میں مما تو ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے بوتیک چلی جاتیں اور ہم ساری بہنیں اپنے اسکول، کالج چلی جاتیں تو اس وقت وہ آیا کرتی تھی، ہم اسے صرف اپنی چھٹی کے دن دیکھتے تھے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم سب گھر پر ہوتیں اور مما کے جاتے ہی اپنا، اپنا کام لے کر لاؤنج میں بیٹھ جاتیں، پاپا تیار ہو کر نکلتے، ہم سب کے ساتھ بیٹھتے، وہیں لاؤنج میں ناشتا کر کے ہم سب کے ساتھ تھوڑی دیر گپ شپ لگاتے۔ پائل آتی تو وہ اٹھ کر اپنے اسٹڈی روم میں چلے جاتے اور اوپر سے آواز لگاتے۔

’’پائل! جلدی سے آ کر میرے اسٹڈی روم کی صفائی کر دو، پھر مجھے جانا بھی ہے...... میری چیزیں یہاں ترتیب سے پڑی ہوتی ہیں، میری عدم موجودگی میں کوئی صفائی کرے تو سب الٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔‘‘ پائل صفائی کا سامان اٹھا کر اوپر چلی جاتی۔

ہم سب بہنیں لاؤنج میں ہی بیٹھ کر اپنا کام کرتیں، جب کمرے کی صفائی کر کے پائل نیچے آ جاتی تو پاپا اس کمرے کو لاک کر کے، نیچے آ کر ہم سب بہنوں کو خدا حافظ کہہ کر دفتر چلے جاتے، پائل باقی گھر کی صفائی کا کام اس کے بعد کرتی تھی۔ پاپا کے کمرے کی صفائی کے بعد میں نے بارہا اس کے گریبان سے جھانکتے لال، لال نوٹ دیکھے، جو فرش پر جھاڑو پوچا لگاتے ہوئے اس کی قیصوں کے پھاڑ سے گلوں میں سے جھانک رہے ہوتے تھے۔ کبھی کبھار میں سوچتی کہ اس سے پوچھوں کہ کیا اس نے وہ نوٹ کہیں سے چوری کر کے اپنے گریبان میں چھپائے ہیں مگر کبھی پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

اس روز میں لاؤنج میں باقی بہنوں کے ساتھ کام کرنے کے بجائے نہانے کے لیے چلی گئی، نہا کر آئی تو باقی سب لاؤنج میں حسبِ معمول اپنے کام میں مصروف تھیں، نصف سیڑھیوں تک پہنچ کر مجھے اسٹڈی روم میں سے گھٹی، گھٹی آوازیں سنائی دیں، میں نے دروازے کو ہلکا سا دبایا تو وہ کھلتا چلا گیا...... کاش میں نے اس دروازے کو نہ کھولا ہوتا تو میں عمر بھر اس تاثر میں رہتی کہ میرے پاپا فرشتوں جیسے ہیں...... میں لاکھ چاہ کر بھی کسی سے وہ بات شیئر نہ کر سکی، مما کو بتانا چاہتی تھی مگر سوچا کہ وہ بہت دکھی ہوں گی۔ پھر وہ دن بھی یاد ہے جب اسے مما نے چیخ، چیخ کر گھر سے نکالا تھا، تب مجھے سمجھ میں آیا کہ مما نے ضرور اس کی چوری پکڑی ہوگی، ہم بہنوں نے مما سے پوچھا بھی تو انہوں نے کچھ نہیں بتایا، ہم بھی اس واقعے کو بھول بھال گئے تھے، آج اتنے سالوں کے بعد مما نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ پاپا نے کسی ملازمہ کو بھی نہیں چھوڑا تو مجھے یاد آ گیا۔

☆☆☆

’’صدف کو نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا احمد؟‘‘ میں جاننا چاہتی تھی کہ اس نے مما کی بات کا ہی اتنا اثر لیا تھا یا کچھ اور مسئلہ تھا، صبح جاگتے ہی فون کو آن کیا تو اسکرین پر احمد کے نام کا پیغام تھا، میں نے اسے پڑھا اور میرا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا۔ وہ مما کے سب سے قریب تھی، اسے مما سے بہت زیادہ پیار تھا اور مما بھی اسے بہت چاہتی تھیں، وہ ہم سب سے الگ سی تھی، حساس طبیعت رکھنے والی اور اسے اچانک نروس بریک ڈاؤن ہونا باعثِ تشویش تو تھا ہی۔

’’کچھ معلوم نہیں رانیہ آپی......‘‘ احمد نے کہا۔ ’’بس بے ہوشی میں بہت عجیب، عجیب باتیں دہراتی رہی ہے، مما کے لیے اداس ہے شاید!‘‘

’’ہوں!‘‘ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ’’تم نے سنا نہیں غور سے کہ وہ بے ہوشی میں کیا بڑبڑاتی رہی ہے؟‘‘ میں نے یہ جاننے کو کہ کہیں صدف نے.... بے ہوشی میں اس راز کو فاش نہ کر دیا ہو جسے ہم خود سے بھی

چھپاتی پھر رہی تھیں۔

’’بس آپی، وہ یہی کہہ رہی تھی کہ مما آپ اداس نہ ہوں، پریشان نہ ہوں، اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ اسے کچھ ہفتوں کے لیے پاکستان بھجوا دوں آپی!‘‘

’’ہوں!‘‘ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ’’میں تو اس کا سن کر پریشان ہو گئی تھی اور عابد سے کہہ رہی تھی کہ دو ایک دن کے لیے میں اسے دیکھنے کے لیے لندن چلی جاؤں، مصطفیٰ کو عابد کے پاس چھوڑ آؤں گی......‘‘ میں نے احمد کو اپنا پروگرام بتایا۔

’’اچھا......‘‘ احمد نے کہا۔ ’’آپ بھی پاکستان کا پروگرام کیوں نہیں بنا لیتیں آپی؟‘‘ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ’’ممانی جان کو آپ لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے، میرا خیال ہے!‘‘

’’کیوں...... مما کو ہماری مدد کی کیا ضرورت پڑ گئی؟‘‘ میں نے حیرت سے پوچھا، شک ہو رہا تھا کہ اسے کچھ نہ کچھ علم تو ہے۔

’’وہ صدف ہی بے ہوشی میں بڑبڑا رہی تھی کہ مما پریشانی میں اکیلی ہیں، انہیں میری ضرورت ہے، وہ تنہا ہیں......اور ایسی ہی کئی باتیں۔‘‘ اس کے انکشاف نے میرے شک کو تقویت دی کہ صدف نے اس سے بڑھ کر بھی کچھ نہ کچھ انکشافات کیے ہوں گے۔

’’مما کیوں تنہا ہوں گی احمد...... پاپا جو ہیں وہاں، گھر میں فاطش ہے، اسود ہے...... اور پاپا مما کا کتنا خیال رکھتے ہیں، تم سے بڑھ کر اپنے ماموں کو کون جانتا ہوگا۔‘‘ میں نے رسان سے کہا۔

’’کبھی کبھار لوگوں کی بھیڑ اور میلے میں بھی انسان تنہا ہو جاتا ہے آپی!‘‘ اس نے فلسفہ بھگارا تھا۔

’’ارے مما بہت زندہ دل خاتون ہیں، تم تو جانتے ہی نہیں کہ مما ہم سب سے بہادر ہیں، ہم سب مل کر بھی اتنی بہادر نہیں ہو سکتیں۔‘‘

’’بہادری کا دلوں کی شکست و ریخت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا آپی!‘‘

’’صدف کی بیماری نے تو تمہیں فلسفی بنا دیا ہے۔‘‘ میں نے ہنس کر اس کی بات کو اڑایا۔ ’’چلو دیکھ لو کیا پروگرام بنتا ہے صدف کا، پھر بتانا مجھے......‘‘

’’صدف کی تو اس ویک اینڈ کی فلائٹ پر سیٹ بک کروا دی ہے میں نے۔‘‘ اس نے کہا تو میں نے اسے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ ’’فاطش اور نیلم تو وہیں ہیں...... صدف بھی چلی جائے گی، میں دیکھتی ہوں اگر ایک ہفتے کی چھٹی مل جائے تو میں بھی چلی جاتی ہوں، مما جانے کس مشکل میں ہیں۔‘‘ میں نے سوچا۔

☆☆☆

’’شکر ہے کہ آپ کا واپس آنے کو من چاہا۔‘‘ رات دیر سے لوٹی تو عمر نے مذاق سے کہا تھا۔

’’میرا تو من چاہ ہی نہیں رہا تھا واپس آنے کو، بس ناہید آپی کے آنے کا سوچ کر واپس آ گئی۔‘‘ میں نے بھی جواباً مذاق سے کہا۔

’’اچھا......‘‘ انہوں نے لمبی سی اچھا کی۔ ’’کیا ضرورت ہے اتنی پروا کرنے کی ناہید آپی کی بھی، چلی جاتا واپس صبح سویرے۔‘‘

’’کرنا پڑتی ہے ناں پروا بابا!‘‘ میں نے ان کے شانے سے سر لگا کر کہا۔

’’کیوں، اتنی مجبوری ہے پروا کرنے کی؟‘‘

’’وہ میرے جان سے پیارے شوہر کی جان سے پیاری بہن جو ہیں......‘‘ میں نے ادائے دلربائی سے کہا، شاید یہ وقت تھا ان سے اپنی بات منوانے کا۔ مما سے مل کر آئی تو حد درجہ پریشان تھی مگر مما کا ہی سکھایا ہوا سبق تھا کہ سسرال کے مسائل کو میکے ساتھ نہ لے کر آؤ اور میکے کے مسائل کی فکر میں دبلے ہوتے ہوئے اپنی ازدواجی زندگی کو متاثر نہ کرو، اسی لیے میں نے مما کی پریشانی میں اپنے ڈوبتے ہوئے دل کی بھی پروا نہ کی اور عمر سے اس پیار سے بات کی... جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ جو بھی کچھ مما اور پاپا کے بیچ چل رہا تھا وہ جانے کس طرح ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتا مگر اب ہمیں اپنے، اپنے گھروں میں خود ہی نارمل رہنے کی کوشش کرنا تھی۔

''اچھا......'' عمر نے مسکرا کر مجھے اپنے قریب کرلیا۔ ''میری جان سے پیاری نیل!'' میرے اندر سکون اترنے لگا اور میں ہر فکر کو تھوڑی دیر کے لیے بھول گئی۔

''عمر......'' میں نے ہولے سے پکارا۔

''جانِ عمر!'' جواب آیا۔

''اگر میں آپ سے کہوں کہ بلی بھی نبیل کو پسند کرتی ہے تو؟'' میں نے سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ جواباً عمر نے اپنی آنکھیں موند کر سینے کی گہرائی سے سانس لی، ان کے لب بھنچے ہوئے تھے۔

''میں ایک بار بہت بے عزت ہو چکا ہوں نیل......'' انہوں نے کرب بھرے لہجے میں کہا۔ ''اس کے بیٹے نے ایک بار میری بیٹی کو پسند کیا۔ پھر اسے ٹھکرایا، اب کسی کے ہاتھوں وہ خود ٹھکرایا گیا ہے تو اسے دوبارہ میری بیٹی پسند آنے لگی ہے؟''

''اس نے تو جو کیا سو کیا عمر...... میں تو بلی کے دل کی بات کر رہی ہوں۔'' میں نے پھر کہا۔ ''لڑکیوں کی آنکھوں میں کچی عمروں میں جو خواب سج جاتے ہیں عمر، وہ پورے نہ ہوں تو لڑکیاں کم ہی خوش رہتی ہیں۔''

''میں اپنی بیٹی کو کسی ایسے شخص سے نہیں بیاہ سکتا نیل جس کے دل پر، سوچوں پر، میری بیٹی سے پہلے کسی اور کا قبضہ رہا ہو...... میری بیٹی کسی کی دوسری چوائس ہو، میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔''

''برداشت تو انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے عمر!'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا، میں نے ہمت جمع کی۔ ''لوگ اپنی کنواری بیٹیوں کی شادیاں ایسی جگہ بھی تو کر دیتے ہیں جہاں نہ صرف دل اور سوچوں پر کسی اور کا قبضہ رہا ہوتا ہے بلکہ ان کے تعلق کی کئی، کئی نشانیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔'' میری بات عمر کو یوں لگی جیسے کسی پر آسمانی بجلی گرتی ہے...... ''مگر ماں باپ ایسا کرنے کو اس لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے جہاں محبت ہو جاتی ہے وہاں کچھ نظر نہیں آتا، جہاں ماں باپ اپنی اولاد کی نظروں میں پسندیدگی دیکھ لیتے ہیں وہاں باقی سب کچھ پس پشت چلا جاتا ہے......''

میری بات ابھی جاری تھی کہ عمر نے کروٹ بدلی اور اپنی سائڈ ٹیبل کی دراز کھولی، میرا دل دھڑکنے لگا کہ اب جانے اس میں سے کیا نکلے گا، شاید ریوالور! میں اندر سے ہولے ہولے کانپ رہی تھی، انہوں نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگائی اور اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

''تمہیں بلی نے خود بتایا ہے کہ اسے نبیل پسند ہے یا اماں نے تمہیں بتایا ہے؟'' ان کا سوال انتہائی پیچ دار تھا، میں بلی کا کہتی تو وہ اس کے سامنے جا کھڑے ہوتے اور اس سے پوچھتے، اماں کا کہتی تو جا کر اماں سے جواب طلبی کرتے، دونوں ہی مشکل صورتِ حال تھیں کیونکہ اماں نے کہا تھا کہ ان کا ذکر بیچ میں نہ آئے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ کسی دوسرے کے کیس کو لڑنا، وہ بھی اس صورت میں کہ مدعی خود سامنے نہ آنا چاہتا ہو، کس قدر مشکل ہوتا ہے۔

''کیا میں بلی کی ماں نہیں عمر؟ کم سن لڑکیوں کے دلوں کی گیلی مٹی میں جب محبت کا بیج گرتا ہے تو مائیں فوراً محسوس کر لیتی ہیں......'' میں نے دل کڑا کر کے وہ کہا جو فوری طور پر میرے ذہن میں آیا تھا۔ ''کیا ایک ماں کو بیٹی کے دل کا حال جاننے کے لیے اسی کی زبان سے سننا ہوتا ہے؟'' عمر گہری نظر سے میرے چہرے کو گھور رہے تھے۔

''کون سی ماں...... کس کی ماں؟'' عمر پوچھ رہے تھے...... ''تم یا اماں؟''

زندگی کبھی کبھی کن راہوں پر لاکھڑا کرتی ہے کہ راستے سامنے نظر آتے ہوئے بھی قدم نہیں اٹھتے...... ایسی ہی ایک عورت کی کہانی کا اگلا قدم...... آئندہ شمارے میں پڑھیے۔